علامہ محمد خلیل الرحمن قادری[1]

گستاخِ رسول کی سزا اور احناف کا موقف

[شاتم رسول کی قبولیتِ توبہ کا مسئلہ]

چند ماہ قبل جب ملعونہ آسیہ مسیح کے ساتھ سابقہ گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے جیل میں ملاقات کی تو قانون توہین رسالت پر ہرزہ سرائی کرنے والے نام نہاد دانشوروں اور انسانی حقوق کے علمبرداروں کو ایک اور موقع مل گیا کہ وہ اس قانون کو تبدیل کروانے کا معاملہ پھر سے اُٹھا سکیں۔ اس دفعہ ان حضرات کی پشت پناہی ایک نام نہاد مذہبی سکالر جاوید غامدی نے کی۔ اُنہوں نے قانون توہین رسالت پر احناف کے موقف کے حوالے سے اضطراب پیدا کرنے کی سر توڑ کوشش کی۔ دراصل اُن کا مقصد یہ تھا کہ وہ قانونِ توہین رسالت پر ہرزہ سرائی اور اس میں تبدیلی کا مطالبہ کرنے والوں کو بزعم خویش علمی بنیادیں فراہم کریں تاکہ اہل مغرب ہمارے حکمرانوں پر دباؤ ڈال سکیں کہ اس قانون کو تبدیل کرنا اسلام کے اعتبار سے بھی ناگزیر ہے جبکہ جاوید غامدی کی اس خدمت کے عوض خود اُنہیں اہل مغرب کی خوشنودی اور مزید قرب حاصل ہو جائے یا کم از کم وہ ان کا حق نمک ہی ادا کر دیں۔

ان کی ان کاوشوں کے تسلسل میں ان کے ایک شاگرد محمد عمار خان ناصر نے ایک کتابچہ شائع کر دیا جس کا عنوان ہے: 'توہین رسالت کا مسئلہ؛ چند اہم سوالات کا جائزہ' اُنہوں نے اس کتابچہ میں متعدد مقامات پر دروغ گوئی اور کتمانِ حق سے بھی اجتناب نہیں کیا۔ راقم ناچیز اس زہرناک کتابچہ کا تفصیلی ردّ لکھ رہا ہے تاہم سردست زیر نظر مضمون میں ان کی وہ آرا زیر بحث ہیں جو اُنہوں نے احناف کے موقف کے حوالے سے اضطراب پیدا کرنے کے لئے تحریر کیں۔ اُنہوں نے اپنے اس کتابچہ میں ایک مقام پر لکھا ہے:

''جمہور فقہاے احناف کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وقتی کیفیت کے تحت اس جرم کا ارتکاب کرے اور پھر اس پر اصرار کے بجائے معذرت کا رویہ اختیار کرے تو اس سے درگزر کرنا یا ہلکی سزا دینے پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔ البتہ اگر توہین رسالت کا عمل سوچے

[1] ناظم جامعہ اسلامیہ، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور

سمجھے منصوبے کے تحت اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کی نیت سے دیدہ ودانستہ کیا جائے یا وہ ایک معمول کی صورت اختیار کرلے تو عدالت کو قتل کی سزا دینے کا اختیار بھی حاصل ہے۔''[1]

جمہور فقہاے احناف کا موقف کیا ہے؟

جمہور فقہاے احناف کے حوالے سے اُنہوں نے جو مذکورہ بالا موقف اختیار کیا ہے، اس کا حقیقت کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ جمہور فقہاے احناف یہ موقف رکھتے ہیں کہ گستاخ مسلمان ہو یا کافر، اسے لازماً قتل کیا جائے گا۔ اس سے قبل کہ جید حنفی فقہا کی تصریحات پیش کی جائیں، یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ احناف کا اس مسئلہ پر جمہور فقہا کے ساتھ، جو گستاخِ رسول کو حداً قتل کرنے کا موقف رکھتے ہیں، کیا کوئی اختلاف ہے بھی یا نہیں؟ اور اگر اختلاف ہے بھی تو اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور اس کا محل کیا ہے؟

جمہور فقہا تو مسلمان اور ذمّی یا معاہد گستاخ دونوں کے لئے یہ موقف رکھتے ہیں کہ اُنہیں حداً قتل کیا جائے گا اور نہ تو اُن سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔ وہ اسے گستاخی کی حد قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ ایسے ملعون کو قتل کرنے کے لئے گستاخی کو ایک مستقل علت قرار دیتے ہیں جبکہ احناف بھی یہی موقف رکھتے ہیں کہ اسے حداً قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، البتہ وہ مسلمان گستاخ کی صورت میں اس پر حدِ ارتداد و کفر کا حکم بھی لگاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا موقف دیگر مذاہب کے مقابلے میں اور بھی سخت ہو جاتا ہے کیونکہ حنابلہ اور موالک کا موقف اتنا ہی ہے کہ گستاخ مسلمان ایک دین سے دوسرے دین میں داخل نہیں ہوا بلکہ اس نے گستاخیِ رسول کی صورت میں ایک ایسا جرم کیا ہے جس کی سزا ان کے نزدیک یہ ہے کہ اسے حداً قتل کر دیا جائے جبکہ احناف اس پر حدِ ارتداد کا حکم بھی لگاتے ہیں لیکن وہ گستاخی کی وجہ سے اسے 'ردۃ عامہ' نہیں بلکہ 'ردۃ خاصہ' قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک 'ردۃ خاصہ' کے مرتکب کا حکم زندیق کی طرح ہے کہ اسے لازماً قتل کیا جائے گا اور اُس کی توبہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک گستاخ مسلمان دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوا، اس لیے دنیا میں سزائے موت کے بعد وہ آخرت میں بخشش کا اُمیدوار ہے اور اس کی تکفین و

1 کتابچہ: توہینِ رسالت کا مسئلہ: ۶۵

تدفین بھی مسلمان کی طرح ہی ہو گی۔ جبکہ امام اعظمؒ کے نزدیک وہ خاص ارتداد کا مرتکب اور زندیق ہونے کے باعث قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں ہے۔ اگر وہ تجدید اسلام کے بغیر مرتا ہے تو وہ بخشش کا اُمیدوار نہیں ہو سکتا اور نہ ہی حد کے اجرا کے بعد اس کی تکفین و تدفین مسلمان کی طرح ہو گی۔

امام محمد بن سحنونؒ کی تصریح

امام محمد بن سحنونؒ (وفات ۲۶۵ھ) نے موالک کے مذہب کو یوں واضح کیا:

لم يزل القتل عن المسلم بالتوبة من سبه عليه السلام ،لأنه لم ينتقل من دين إلىٰ دين، وإنما فعل شيئًا حدّه عندنا القتل، لاعفو فيه لأحد كالزنديق ، لأنه لم ينتقل من ظاهر الىٰ ظاهر[1]

"نبی علیہ السلام کی گستاخی سے مسلمان کا قتل توبہ سے زائل نہیں ہوتا کیونکہ وہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف نہیں منتقل ہوا جبکہ اس نے ایک ایسا عمل کیا، ہمارے نزدیک جس پر قتل بطورِ حد ہے اور اسے کوئی معاف نہیں کر سکتا، جیسے زندیق کو کیونکہ یہ بھی ظاہر سے ظاہر کی طرف منتقل نہیں ہوا۔"

قاضی عیاضؒ کی تصریح

قاضی عیاضؒ نے امام اعظمؒ اور ان کے اصحاب کے موقف کو جمہور فقہا کے موقف ہی کے مثل قرار دیتے ہوئے یہ فرق بیان کیا ہے کہ احناف گستاخِ رسول کو مرتد بھی قرار دیتے ہیں جبکہ سب کے نزدیک دنیا میں تو اس کی سزا بہر حال یہی ہے کہ اس کی توبہ قبول کیے بغیر اسے قتل کر دیا جائے۔ امام سبکیؒ نے ان کا یہ قول یوں نقل کیا ہے:

وقد قال القاضی عياض رحمه الله بعد أن حكىٰ قتله عن جماعة ثم قال: ولا تقبل توبته عند هٰؤلاء، وبمثله قال أبوحنيفة وأصحابه، والثوري وأهل الكوفة والأوزاعی في المسلم كلهم قالوا: هی ردة وروىٰ مثله الوليد بن مسلم عن مالك وقال بعد ذلك: ذكرنا الإجماع علىٰ قتله، ومشهور مذهب مالك وأصحابه وقول السلف وجمهور العلماء قتله حدًا لا كفرًا إن أظهر التوبة ولهٰذا لاتقبل التوبة عندهم

"قاضی عیاض ایک جماعت سے حکم قتل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں، ان کے ہاں ان کی

---

1 السيف المسلول: ۱۶۳، ۱۶۲

توبہ قبول نہیں۔ اسی کی مثل امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب، امام ثوری، اہل کوفہ اور اوزاعی نے مسلمان گستاخ کے بارے میں کہا اور ان تمام نے فرمایا: یہ ارتداد ہے۔ اس طرح کی بات ولید بن مسلم (ت ۱۹۵ھ) نے امام مالک سے بھی نقل کی۔ امام مالک اور ان کے اصحاب کا مشہور مذہب، قولِ سلف اور جمہور علما کہتے ہیں کہ یہ قتل بطورِ حد ہے نہ کہ بطورِ کفر، اگرچہ وہ توبہ کا اظہار کرے اور اسی لئے ان کے ہاں توبہ قبول نہیں۔''[1]

فقہائے احناف کی تصریحات

اب ہم فقہائے احناف کی تصریحات پیش کرتے ہیں:

① فقہ حنفی کے بڑے امام ابوالعباس احمد بن محمد بن ناطفی حنفی (ت ۴۴۶ھ) نے اپنی کتاب 'اجناسِ ناطفی' میں لکھا ہے جسے دسویں صدی ہجری کے عظیم حنفی امام قاضی عبدالعالی بن خواجہ بخاری نے اپنی کتاب فتاوی 'حسب المفتین' میں ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

أمّا اذا سبَّ رسول الله ﷺ أو واحد من الأنبياء عليهم السلام يقتل حدًّا ولا توبة له أصلا سواءً بعد القدرة والشهادة أو جاء تائباً من قبل نفسه كالزنديق لأنه حدّ وجب فلا يسقط بالتوبة كسائر حقوق الآدميين وكحدّ القذف وبخلاف الارتداد لأنه يتفرد به المرتد لا حَقّ فيه لغيره من الآدميين و لهٰذا قلنا إذا شتمه ﷺ سَكران لا يعفى ويقتل أيضًا حدًّا

''جب کسی نے رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی نبی کو گالی دی تو اُس کو حداً قتل کیا جائے گا خواہ حراست میں لیے جانے یا گواہی کے بعد وہ گستاخ توبہ کرے یا خود بخود توبہ کے لئے پیش ہو جائے، اسے زندیق کی طرح ہر حال میں قتل کر دیا جائے گا کیونکہ یہ قتل اس گستاخ کی حد ہے پس توبہ سے ساقط نہیں ہو گی جیسا کہ آدمیوں کے باقی حقوق جس پر حق ہو، اس کی توبہ سے ساقط نہیں ہوتے اور جیسا کہ حد قذف ہے۔

گستاخ کا مسئلہ عام مرتد جیسا نہیں ہے کیونکہ عام مرتد کا فعل اسکا انفرادی فعل ہے جس سے کسی آدمی کا کوئی حق متاثر نہیں ہوتا (لہٰذا اس کی توبہ قبول ہے مگر گستاخ کی توبہ قبول نہیں ہے کیونکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا حق متاثر ہوا ہے) اسی لیے کسی نے حالتِ نشہ میں گستاخی کی پھر بھی اسے معاف نہیں کیا جائے گا اور حداً ہی قتل کیا جائے گا۔''

اس کے بعد اُنہوں نے دوٹوک الفاظ میں واضح کیا ہے:

---

۱ السیف المسلول: ۱۵۶، ۱۵۵

هٰذا مذهب أبي بكر الصديق رضى الله تعالىٰ عنه والإمام الأعظم

''یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔''[1]

اسی مقام پر امام عبد المعالی بخاریؒ نے علامہ علم الہدیٰ کی 'البحر المحیط' سے نہایت قابل غور اقتباس نقل کیا ہے:

مَن شاتم النبي ﷺ أو أهانه أوعاب في أمور دينه وفي شخصه أو في وصف من أوصاف ذاته سواءً كان الشاتم مثلاً من أمته أومن غيرها، وسوآء كان من أهل الكتاب أو غيره، ذميًا كان أو حربيًا، وسوآءً كان من أهل الكتاب الشتم أو الإهانة أو العيب صادرًا عنه عمدًا أو قصدًا أو سهوًا وغفلته أو حبًا أو هزلاً فقد كفر خلودًا بحيث إن تاب لم يقبل توبته أبدًا لا عندالله ولا عند الناس وحكمه في الشريعة المطهرة عند متاخري المجتهدين إجماعًا وعند أكثر المتقدمين القتل قطعًا. ولا يداهن السلطان أو نائبه في حكم قتله، أفمن فات في قتله وانعدامه المصالح الدينوية كقتل القضاة والولاة والعمال وإن أهملوا فقد رهنوا بما صدر عنه من الشتم مثلاً وهو كفر فهم رضوا بالكفر والراضي بالكفر والراضي كافر فهم كافرون

''جس بندے نے رسول اللہ ﷺ کو گالی دی یا آپ کی اہانت کی یا آپ کے دین، شخصیت یا اوصاف میں سے کسی وصف کو عیب والا بتایا خواہ یہ گالی دینے والا آپ کی اُمت سے ہو یا غیر، اہل کتاب سے ہو یا غیر، ذمی ہو یا حربی خواہ اس نے گالی / اہانت یا عیب لگانے کی بات عمداً یا قصداً کی ہو یا سہواً غفلت سے کی ہو، سنجیدگی سے کی ہو یا مذاق میں۔ پس اُس نے ہمیشہ کا کفر کیا یعنی اگر وہ توبہ کرے تو کبھی بھی اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور نہ ہی بندوں کے نزدیک۔ متاخرین مجتہدین کے نزدیک بالاجماع اور اکثر متقدمین کے نزدیک شریعت میں اس کا حکم قتل ہے۔ بادشاہ یا اس کا نائب اس گستاخ کے قتل میں فریب کاری سے کام نہ لیں اگرچہ اس گستاخ کو قتل کرنے کی پاداش میں بہت سے دینی مصالح بھی فوت ہو جائیں جیسا کہ قاضیوں، والیوں اور سرکاری اہلکاروں کا قتل ہے، پھر بھی بادشاہ اسے زندہ نہ چھوڑے اور اگر حکومت نے اسے زندہ چھوڑ دیا تو حکمران اس کے کفر پر راضی ہو گئے یعنی جو اس سے توہین کا صدور ہوا تھا، یہ کفر ہے اور کفر پر راضی

1 فتاویٰ حسب المفتین: ۲/۷/۳۳

ہونے والا بھی کافر ہوتا ہے پس وہ بھی کافر ہوں گے۔"[1]

② امام ابو بکر جصاص حنفیؒ (ت ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

فإذا ثبت ذلك كان من أظهر سب النبی ﷺ من أهل العهد ناقضًا للعهد إذ سبّ رسول الله ﷺ من أكثر الطعن في الدين[2]

"جب یہ ثابت ہو گیا کہ ذمی شخص نبی کریم ﷺ کو گالیاں دے تو وہ عہد توڑنے والا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینا دین میں طعن کرنے سے زیادہ برا ہے۔"

③ مجتہد کی شان رکھنے والے عظیم فقیہ امام ابن الہمام (ت ۸۶۱ھ) جنہیں بجا طور پر محقق علی الاطلاق کہا جاتا ہے، اپنی کتاب 'فتح القدیر' میں فرماتے ہیں:

كل من أبغض رسول الله ﷺ بقلبه كان مرتدًا فالساب بطريق أولىٰ ثم يقتل حدًّا عندنا فلا تقبل توبته في إسقاط القتل... وإن سبّ سكران ولا يعفى عنه[3]

"ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ سے دل میں بغض رکھے۔ وہ مرتد ہے اور آپ کو سبّ وشتم کرنے والا تو بدرجہ اولیٰ مرتد ہے اسے بطورِ حد قتل کیا جائے گا، سزائے قتل کے اسقاط میں اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگرچہ حالتِ نشہ میں کلمہ گستاخی بکا، جب بھی معاف نہ کیا جائے گا۔"

امام ابن الہمامؒ نے گستاخ ذمی اور معاہد کا عہد ٹوٹ جانے اور اُس کے مباح الدم ہونے کا قول بھی کیا ہے:

والذي عندي أن سبه عليه السلام أونسبة ما لاينبغى إلىٰ الله تعالىٰ إن كان مما لا يعتقدونه كنسبة الولد إلىٰ الله تعالىٰ وتقدس عن ذٰلك إذا أظهر يقتل به وينتقض عهده[4]

"میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ (ذمی) نے اگر حضور ﷺ کی اہانت کی یا اللہ تعالیٰ کی طرف غیر مناسب چیز منسوب کی جو کہ (مسلمانوں) کے معتقدات سے خارج ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا، حالانکہ وہ اس سے پاک ہے، جب وہ اس کا اظہار

۱ فتاویٰ حسب المفتین: ۲/۳۳۶، ۳۳۷
۲ احکام القرآن للجصاص: ۴/۲۷۵
۳ فتح القدیر: ۶/۹۱
۴ فتح القدیر: ۶/۵۹

کرے تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔"

④ امام محمد بن محمد شہاب کردری حنفیؒ ابن بزاز (ت ۸۲۷ھ) نے بھی اس مسئلہ پر بالتفصیل روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:

وزال عنه موجب الكفر والارتداد وهو القتل إلا إذا سبّ الرسول ﷺ أو واحد من الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام فإنه يقتل حدًا ولا توبة له أصلاً سواء بعد القدرة عليه الشهادة أو جاء تائبًا من قبل نفسه كالزنديق لأنه حدّ وجب فلا يسقط بالتوبة كسائر حقوق الآدميين، وكحد القذف لا يسقط بالتوبة بخلاف ما إذا سبّ الله تعالىٰ ثم تاب لأنه حق الله تعالىٰ ولأن النبى عليه السلام بشر والبشر جنس يلحقهم المعرة إلا من أكرمهم الله تعالىٰ والباري منزه عن جميع المعايب، وبخلاف الارتداد لأنه معنى يتفرد المرتد لا حق فيه لغيره من الآدميين. ولكنه قلنا إذا شتمه عليه السلام سكران لا يعفى ويقتل أيضًا حدًا وهذا مذهب أبي بكر الصديق رضى الله عنه والإمام الأعظم والثورى وأهل الكوفة والمشهور من مذهب مالك وأصحابه.

"(عام) مرتد سے کفر اور اِرتداد کا موجب زائل ہو جائے گا مگر جب کسی نے رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی نبی علیہ السلام کو گالی دی تو اس کو حداً قتل کیا جائے گا خواہ حراست میں لیے جانے یا گواہی کے بعد وہ گستاخ توبہ کرے یا خود بخود توبہ کے لئے پیش ہو جائے، اسے زندیق کی طرح ہر حال میں قتل کر دیا جائے گا کیونکہ یہ قتل اس گستاخ کی حد ہے، پس توبہ سے ساقط نہیں ہو گی جیسا کہ آدمیوں کے باقی حقوق، جس پر حق ہو اس کی توبہ سے ساقط نہیں ہوتے اور جیسا کہ حد قذف ہے۔ بخلاف اس صورت کہ جب اللہ تعالیٰ کی گستاخی کی پھر توبہ کر لی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور نبی علیہ السلام انسان ہیں اور انسان کی جنس کو عار لاحق ہوتی ہے، البتہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے معزز بنایا، باری تعالیٰ ان تمام عیوب سے منزہ ہے، بخلاف ارتداد کے کیونکہ اس میں محض وہی ارتداد ہوتا ہے جس میں کسی آدمی کا حق متعلق نہیں ہو سکتا۔ البتہ ہم واضح کر رہے ہیں کہ جب کسی نے حالتِ نشہ میں گستاخی کی تو اسے معاف نہیں کیا جائے گا، اسے بھی حداً قتل کیا جائے گا۔ یہی مذہب ابو بکر صدیقؓ، امام اعظمؒ، ثوری اور اہل کوفہ کا ہے اور یہی مالک اور انکے اصحاب کا مشہور مذہب ہے۔"

⑤ امام خیر الدین رملی حنفی (ت ۱۰۸۱ھ) لکھتے ہیں کہ ہر مرتد کی توبہ قبول ہے مگر

إذا سبَّ الرسول ﷺ أو واحدًا من الانبياء عليهم السلام فإنه يقتل حدًا ولا توبة له أصلاً.... ولا يتصور فيه خلاف لأحد لأنه حق تعلق به حق العبد فلا يسقط بالتوبة كسائر حقوق الآدميين ... هٰذا مذهب أبي بكر الصديق رضى الله عنه والإمام الأعظم والثوري وأهل الكوفة و المشهور من مذهب مالك وأصحابه[1]

"جس نے رسول اللہ ﷺ اور انبیاء علیہم السلام سے کسی نبی کی گستاخی کی تو اسے بطورِ حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ مقبول نہیں.... اس بارے میں کسی کا اختلاف متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے حق بندہ متعلق ہے تو وہ بندوں کے دوسرے حقوق کی طرح توبہ سے ساقط نہیں ہو گا.... یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، امام اعظم ابو حنیفہ، اہل کوفہ کا مذہب ہے اور یہی امام مالک اور آپ کے اصحاب کا مشہور مذہب ہے۔"

⑥ امام زین الدین بن ابراہیم المعروف بہ ابن نجیم حنفی (ت ۹۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ 'ساب النبی' کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی:

لا تصح ردة السكران إلا الردة بسب النبى فإنه يقتل ولايعفى عنه كذا في البزازية. كل كافر تاب فتو بته مقبولة في الدنيا والآخرة إلاجماعة الكافر بسب النبى، وإذا مات أو قتل على ردته لم يدفن في مقابر المسلمين، ولا أهل ملته وإنما يلقىٰ في حفيرة كالكلب[2]

"نشہ کی حالت میں ارتداد صحیح نہ مانا جائے گا مگر حضور ﷺ کی اہانت حالتِ نشہ میں بھی کی جائے تو اسے معافی نہ دی جائے گی جیسا کہ بزازیہ میں ہے۔ ہر کافر کی توبہ دنیا و آخرت میں مقبول ہے مگر کافروں کی وہ جماعت جس نے حضور ﷺ کو گالی دی اُس کی توبہ قبول نہیں.... جب وہ شخص مر جائے یا مرتد کے طور پر قتل کر دیا جائے اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنے کی اجازت نہیں، نہ اہل ملت (یہودی، نصرانی) کے گورستان میں، بلکہ اسے کتے کی طرح گڑھے میں پھینک دیا جائے گا۔"

⑦ امام محمد بن عبد اللہ حنفی تمر تاشی (ت ۱۰۰۴ھ) اسے حد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

كل مسلم ارتد فتوبته مقبولة إلا الكافر بسب نبى ﷺ[3]

---

۱ فتاویٰ خیریہ: ۱۷۰

۲ الاشباہ والنظائر: ۲۱۹،۲۲۰

۳ تنویر الابصار: ۳۲۵

”جو مسلمان مرتد ہو جائے اس کی توبہ مقبول ہے مگر توہین کرنے والے کافر کی توبہ قبول نہیں جائے گی۔“

⑧ اس کی شرح میں امام حصکفی حنفی ؒ (ت ۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:

(كل مسلم ارتد فتوبته مقبولة إلا) جماعة: من تكررت ردته على ما مرّ و(الكافر بسبّ نبي) من الأنبياء فإنه يقتل حدًا ولا تقبل توبته مطلقًا[1]

”ہر مرتد مسلمان کی توبہ مقبول ہے مگر ان لوگوں کی نہیں جن کا ارتداد دوبارہ ہو اور کسی نبی کی گستاخی کرنے کی وجہ سے ہونے والا کافر کیونکہ اسے بطورِ حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ کسی حال میں قبول نہیں کی جائے گی۔“

⑨ حضرت مولیٰ خسرو (ت ۸۸۵ھ) فرماتے ہیں:

إذا سبه أو واحدا من الأنبياء صلوات الله عليهم أجمعين مسلم فإنه يقتل حدًّا ولاتوبة له أصلا سواء بعد القدرة عليه والشهادة أو جاء تائبًا من قبل نفسه كالزنديق لأنه حد وجب فلا يسقط بالتوبة ولا يتصور خلاف لأحد لأنه حدّ تعلق به حق العبد فلا يسقط بالتوبة كسائر الآدميين وكحد القذف لايزول بالتوبة قلنا إذا شتمه سكران لايعفى و يقتل أيضًا حدًّا وهذا مذهب أبي بكر الصديق رضى الله عنه و الإمام الأعظم والثوري وأهل الكوفة والمشهور من مذهب مالك وأصحابه[2]

”جو شخص نبی کریم ﷺ یا انبیاے کرام میں سے کسی کی اہانت کا مرتکب ہو وہ مسلمان کہلاتا ہو، اسے بطورِ حد قتل کیا جائے گا، اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں، وہ تائب ہو کر آئے یا گرفتار ہونے کے بعد توبہ کرے، زندیق کی طرح اس کی توبہ قبول نہیں اس لیے کہ حد واجب ہے اور توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اس میں اختلاف نہیں، اس لیے کہ یہ ایسا حق ہے جو حق عبد کے ساتھ متعلق ہے اور دیگر حقوق العباد کی طرح توبہ سے ساقط نہیں ہو گا، جیسے حدِ قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتی، اگر کوئی حالتِ نشہ میں بھی تنقیص کرے تو معافی نہ دی جائے گی، اور اسے بطورِ حد قتل کیا جائے گا، یہی مذہب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا

1 الدر المختار: ۳۴۵
2 الدرر الحکام: ۱/ ۳۰۰

ہے اور امام اعظم، ثوری، اہل کوفہ ،امام مالک اور ان کے اصحاب کا بھی یہی موقف ہے۔"

⑩ امام بدر الدین عینی حنفیؒ (ت ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

ولكن أنا معه في جواز قتل الساب مطلقًا[1]

"تاہم میں مطلقاً ہر شاتم رسول کو قتل کرنے کے حق میں ہوں۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"توہین رسالت کی وجہ سے مومن کا ایمان نہیں رہتا تو ذمی کے لئے امان کیسے باقی رہ جائے گی؟ کیونکہ مسلمان جب رسول اللہ ﷺ کو گالی دے تو کافر ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر حاکم بھی ایسا کرے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے گا جو ویسے ہی مجرم اور دین کا دشمن ہو یعنی ذمی اگر وہ توہین کرے تو اسے کیسے چھوڑ دیا جائے گا؟"[2]

⑪ امام عبد اللہ بن محمد سلیمان حنفیؒ (ت ۱۰۷۸ھ) فرماتے ہیں:

إذا سبه ﷺ أو واحدا من الأنبياء مسلم ولا سكران فلا توبة له أصلا لا تنجيه كالزنديق ومن شك في عذابه وكفره فقد كفر[3]

"جو مسلمان کہلا کر نبی کریم ﷺ یا کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے، اگرچہ حالتِ نشہ میں ہو، تو زندیق کی طرح اس کی توبہ کو بھی قبول نہیں کیا جائے گا جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے وہ خود بھی کافر ہے۔"

⑫ شاہ عنایت قادری (ت ۱۱۴۸ھ) فرماتے ہیں:

"گستاخِ رسول کی سزا کے بارے میں جو ہم تک معتبر روایات پہنچی ہیں، وہ فتاویٰ ذخیرہ میں ہیں۔ ان میں یہ ہے کہ گستاخِ رسول کوئی بھی ہو خواہ مسلمان ہو یا ذمی اس کی شرعی حد یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا اور اس کے لئے توبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ انہوں نے اسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: هو مذهب أبي بكر والإمام الأعظم[4]

"یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور امام اعظمؒ کا مذہب ہے۔"

ان کے علاوہ بھی کئی احناف فقہا نے یہی مذہب اختیار کیا ہے اور اسے اختیار کرنے کی

---

1 عمدۃ القاری: ۱۹/۴۳۸
2 رمز الحقائق شرح کنز الدقائق: ۱/۲۸۵
3 مجمع الانہار: ۱/۶۷۷
4 غایۃ الحواشی: ۲۴۰

وجہ بھی بیان فرما دی ہے کہ یہ مذہب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ طوالت کے خوف سے تفصیلی عبارات کی بجائے ان میں سے بعض کے محض تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ مثلاً علامہ حسن شرنبلائی و علامہ یوسف اخی اور علامہ ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہم نے یہی موقف اختیار کیا ہے کہ گستاخ رسول کا حکم عام مرتد کی طرح نہیں کیونکہ اس کی توبہ کسی صورت میں بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

حنفی مفسرین کی تصریحات

اب دو جلیل القدر حنفی مفسرین کے حوالہ جات بھی ملاحظہ فرمالیں:

① قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی فرماتے ہیں:

مَن آذى رسول الله ﷺ بطعن في شخصه أو دينه أو نسبه أو صفته من صفاته أو بوجه من وجوه الشين فيه صراحه أو كناية أو تعريضًا أو إشارة كفر ولعنة الله في الدنيا والآخرة وأعد له عذاب جهنم، وهل يقبل توبته؟

"رسول اللہ ﷺ کی شخصیت، دین، نسب یا حضورِ سید عالم ﷺ کی کسی صفت پر طعن کرنا اور صراحتاً یا کنایۃً یا اشارۃً یا بطورِ تعریض آپ ﷺ پر نکتہ چینی کرنا اور عیب نکالنا کفر ہے۔ ایسے شخص پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت اور اس کے لیے عذابِ جہنم ہے، کیا اس کی توبہ قبول ہو گی؟[1]

اس کے بعد اُنہوں نے ابن الہمام اور امام خطابی کے اقوال نقل کر کے تصریح کی ہے کہ اسے حداً قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ مقبول نہیں ہے۔

② علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں:

واعلم أنه قد اجتمعت الأمة على أن الاستخفاف بنبينا وبأى نبى كان من الأنبياء، كفر سواء فعله فاعل ذلك استحلالا أم فعله معتقدًا بحرمته ليس بين العلماء خلاف في ذلك والقصد للسب وعدم القصد سواء إذ لايعذر أحد في الكفر بالجهالة ولا بدعوى زلل اللسان إذا كان عقله في فطرته سليما

"تمام علمائے امت کا اجماع ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ یا کوئی اور نبی علیہ السلام ہوں،

---

1 تفسیر مظہری: ۷/ ۳۸۲

ان کی ہر قسم کی تنقیص واہانت کفر ہے، اس کا قائل اسے جائز سمجھ کر گستاخی کرے یا اسے حرام سمجھے، قصداً گستاخی کرے یا بلا قصد، ہر طرح اس پر کفر کا فتویٰ ہے۔ شانِ نبوت کی گستاخی میں لاعلمی اور جہالت کا عذر نہیں سنا جائے گا، سبقت لسانی کا عذر بھی قابل قبول نہیں، اس لیے کہ اس کی عقل فطرتِ سلیمہ پر ہے۔''[1]

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ احناف فقہا کی اکثریت گستاخ رسول کو خاص مرتد اور زندیق سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے یہ فقہائے کرام نہ تو ایسے ملعون کو معاف کرنے اور نہ ہی اسے قتل سے کم سزا دینے کا موقف رکھتے ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ جناب عمار خاں ناصر نے کون سے جمہور فقہائے احناف کی یہ رائے لکھی ہے کہ ''اگر کوئی شخص وقتی کیفیت کے ساتھ اہانتِ رسول کا ارتکاب کرے اور پھر اس پر اصرار کی بجائے معذرت کا راستہ اختیار کرے تو اس پر درگزر کرنا اور اسے ہلکی سزا دینا مناسب ہے اور یہ کہ اگر توہین رسالت کا عمل سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات مجروح کرنے کے لئے دیدہ و دانستہ کیا جائے اور وہ ایک مستقل معمول کی صورت اختیار کرلے تو عدالت کو قتل کی سزا دینے کا اختیار بھی حاصل ہے۔'' ان کی اس تحریر کی ایک ایک سطر میں کئی مغالطے پنہاں ہیں۔

قتل سے کم تر سزا کہاں سے ثابت ہے؟

موصوف کا یہ کہنا کہ عدالت اسے قتل تک کی سزا دے سکتی ہے، بھی نہایت مغالطہ انگیز ہے، اس کی سزا قتل ہونے پر تو اُمت کا اجماع[2] ہے۔ پھر حضور ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں گستاخِ رسول کے بارے میں دو قسم کے ردِ عمل دکھائی دیتے ہیں یا تو اس جرم پر حضور ﷺ نے سزائے موت دی یا پھر مجرم کو معاف کر دیا، موت سے کم تر سزا دینے پر موصوف کے پاس اگر حضور ﷺ کا کوئی قولی یا فعلی حکم ہو تو اسے ضرور سامنے لائیں۔ ہاں معافی دینے کی مثالیں موجود ہیں اور اس کا سبب بالکل واضح ہے کیونکہ حضور ﷺ کو اختیار تھا کہ وہ کسی مجرم کو سزا دیں یا معاف فرمائیں، اسی طرح فقہائے کرام میں سے کسی ایک نے بھی مسلمان گستاخ رسول کو قتل کرنے سے کم تر سزا کا موقف پیش نہیں کیا۔

ہاں ان چند فقہائے احناف نے جنہوں نے گستاخی رسول کے مرتکب پر ردۃ عامہ کا

---

1 روح البیان: ۳/ ۵۰۳

2 تفصیل کے لئے دیکھیں شمارہ ہذا کا صفحہ نمبر ۳۲ تا ۳۸

اطلاق کیا، اُنہوں نے اس کی توبہ قبول کرنے کی بات بھی کی۔ کیونکہ وہ ایسی بات کرنے میں حق بجانب تھے لیکن اُنہوں نے بھی یہ واضح کر دیا کہ اگر وہ توبہ نہیں کرتا تو اسے قتل کیا جائے گا۔ البتہ ان سے تسامح ہوا کہ اُنہوں نے اسے ردۃ عامہ سمجھا حالانکہ امام اعظم کے مذہب کے مطابق یہ ردۃ خاصہ تھی جس کا حکم زندیق کی طرح ہے اور اسے ہر حال میں قتل کیا جائے گا اس کی توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

امام شامیؒ کے چند تناقضات

چنانچہ امام ابن عابدین شامی سے پہلے درجن سے زائد جید فقہائے احناف نے، جن کا تذکرہ ہم نے اوپر کیا ہے، ردۃ عامہ اور ردۃ خاصہ میں فرق کرتے ہوئے امام اعظم کے اصل موقف کو اجاگر کیا اور تقریباً سبھی نے یہ تصریح کی کہ یہی امام اعظمؒ کا مذہب ہے۔

ہم نے جو فقہاے احناف کی عبارتیں اوپر نقل کی ہیں، ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گستاخِ رسول کی سزا کو حد ماننے اور گستاخ معاہد کا نقض عہد تسلیم کرنے کا موقف متقدمین فقہاء احناف سے چلا آرہا ہے جیسا کہ امام محمد بن ناطقی حنفیؒ اور امام ابو بکر جصاص حنفیؒ بلکہ خود امام محمدؒ کی عبارت سے واضح ہو رہا ہے:

ذكره (الإمام محمد) في السير الكبير فيدل على جواز قتل الذمي المنهي عن قتله بعقد الذمة إذا أعلن بالشتم أيضا، و استدل لذلك في شرح السير الكبير بعدة أحاديث، منها حديث أبي إسحٰق الهمداني قال: جاء رجل إلىٰ رسول الله ﷺ وقال سمعت امرأة من يهود وهي تشتمك والله يا رسول الله إنها لمحسنة إلي فقتلتها فأهدر النبي ﷺ دمها[1]

"امام محمدؒ نے 'السیر الکبیر' میں لکھا کہ اس میں دلالت ہے کہ ذمی کو بوجہ عہد ذمہ قتل سے امان مل چکی تھی جب وہ اعلانیہ حضور نبی کریم ﷺ کی اہانت و تنقیص کا مرتکب ہو تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس پر شرح السیر الکبیر میں کئی احادیث سے ذمی کے قتل پر استدلال کیا۔ ان میں ایک ابو اسحٰق ہمدانی کی روایت ہے، ایک شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی! یا رسول اللہ ﷺ! ایک یہودی عورت میری محسنہ تھی لیکن وہ آپ کو سب و شتم کرتی تھی، میں نے اسے قتل کر دیا حضور ﷺ نے اس کے خون کو ضائع

---

[1] رد المحتار: ۴/ ۳۳۲

قرار دیا۔"

فقہائے احناف کی مذکورہ بالا تصریحات کا بغور جائزہ لینے کے بعد یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ امام ابن عابدین شامیؒ کا یہ قول بھی درست نہیں کہ احناف میں سے گستاخ مسلمان یا کافر کی توبہ قبول نہ کرنے اور اسے حداً قتل کرنے کا موقف سب سے پہلے امام ابن بزاز نے اختیار کیا کیونکہ وہ تو ۸۲۷ھ کے فقیہ ہیں جب کہ اوپر نقل کردہ متقدمین احناف کی عبارتوں سے یہ بخوبی واضح ہو رہا ہے کہ یہ موقف امام ابن بزاز سے پہلے کئی متقدمین احناف نے بھی اختیار فرمایا۔ اسی طرح امام شامی کا یہ فرمانا بھی دراصل ان کا تسامح ہے کہ احناف میں سے امام ابن بزاز نے یہ موقف سب سے پہلے اختیار کیا اور بعد میں آنے والے فقہائے احناف نے بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے اس غلط موقف کو اختیار کر لیا۔ کیونکہ اگر ان کی یہ بات درست مان لی جائے تو امام ابن الہمام اور علامہ بدر الدین عینی جیسے حنفی علماء جو کہ ابن بزاز کے ہم عصر تھے، ان کے بارے میں یہ بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ اُنہوں نے بلا تحقیق اپنے ہی ایک ہم عصر کی تحقیق کو قبول کر لیا حالانکہ امام ابن الہمامؒ کو احناف محقق علی الاطلاق کہتے ہیں اور بلاشبہ ان کا علمی پایہ امام ابن بزاز سے بلند تر ہے، اسی طرح اس بدگمانی کا سلسلہ بعد میں آنے والے فقہائے کرام تک بھی جا پہنچتا ہے جن میں ابن نجیم جیسے محقق بھی شامل ہیں جنہیں ہم ابو حنیفہ ثانی کا لقب دیتے ہیں پھر امام عبد اللہ بن محمد سلیمان حنفی، حضرت ملا خسرو، امام عبد العالی بخاری، امام حصکفی، امام ابن عبد اللہ تمر تاشی، امام خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہم جیسے جلیل القدر فقہائے احناف کے بارے میں کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس حساس مسئلے پر بلا تحقیق مکھی پر مکھی مارتے رہے۔ (العیاذ باللہ) جبکہ اُنہوں نے اپنے اپنے انداز میں بڑی مدلل گفتگو کی ہے اور حسبِ ضرورت امام اعظم اور متقدمین فقہاء احناف کے موقف ہی کی توضیح و تشریح بھی کی ہے۔ ان کی کتب سے جو مذکورہ بالا اقتباسات پیش کیے گئے ہیں، ان سے ایک عام قاری بھی بخوبی یہ بات اخذ کر سکتا ہے کہ ان جید فقہائے احناف نے محض تقلید کے طور پر نہیں بلکہ کتاب و سنت کے دلائل اور تحقیق کی روشنی میں اسے سیدنا ابو بکرؓ اور امام اعظمؒ کا موقف سمجھتے ہوئے اختیار فرمایا۔

امام ابن عابدین شامیؒ کا یہ کہنا بھی ان کے تسامح پر دلالت کرتا ہے کہ امام ابن بزاز نے حنابلہ اور موالک والا مذہب اختیار کر لیا اور ان کی پیروی کرتے ہوئے بعد میں آنے والے فقہا: علامہ خسرو، ابن الہمام، ابن نجیم، تمر تاشی اور علامہ خیر الدین وغیرہ نے بھی یہی موقف

اپنالیا۔ کیونکہ ان تمام جید فقہائے کرام نے احناف کے اصل موقف سے سر مو بھی اختلاف نہیں کیا۔ ان کے فتاویٰ ہم نے اوپر نقل کر دیے ہیں جن سے چند امور بالکل واضح ہو جاتے ہیں:

① اُنہوں نے گستاخِ رسول کو حنابلہ اور موالک کے موقف کے برعکس مرتد ہی قرار دیا ہے البتہ انہوں نے احناف کے اصل موقف کے مطابق اس پر ردۃ خاصہ کا اطلاق کیا ہے۔

② اُنہوں نے ردۃ خاصہ کی وجہ سے اسے زندیق قرار دیا ہے اور اسے لازماً قتل کرنے اور اس کی توبہ قبول نہ کرنے کا موقف اختیار کیا ہے جبکہ موالک اور حنابلہ اس لیے توبہ کو قبول نہیں کرتے اور اسے لازماً قتل کرنے کا موقف رکھتے ہیں کیونکہ وہ اسے گستاخی پر ایک الگ اور مستقل حد قرار دیتے ہیں جو توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

③ اُنہوں نے جہاں حداً قتل کرنے کی بات کی ہے وہاں یہ تصریح بھی کی ہے کہ اس سے حق آدمی متعلق ہے، اس لیے بندوں کے دوسرے حقوق کی طرح یہ سزا توبہ سے ساقط نہیں ہو گی۔ اور یہی امام اعظم اور امام شافعی رحمہا اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ ان کا اس سزا کو حد قرار دینا موالک اور حنابلہ کی طرز پر نہیں ہے بلکہ وہ اسے حد ارتداد و کفر ہی قرار دیتے ہیں لیکن ردۃ خاصہ کی بنا پر چونکہ گستاخ ملعون زندیق ہو جاتا ہے اور اس سے حق آدمی متعلق ہو جاتا ہے، اس لیے اس کی توبہ مقبول نہیں اور اسے عام مرتد کے برعکس ہر حال میں قتل کیا جائے گا تو گویا یہ حد کفر و ارتداد ہوئی۔

صاحب نسیم الریاض کی تصریح ملاحظہ فرمائیں:

(لكن لمعنًى يرجع) ويعود (إلىٰ تعظيم حرمته) وحفظ مقامه باحترامه وتوقيره يرجع إلىٰ (زوال المعرة) والنقص اللاحق (به وذلك لاتسقطه التوبة) لأنه متعلق بعرضه فهو حق له كحقوق الآدميين وهٰذا هو القول الصحيح عند أبي حنيفة والشافعي وغيرهما[1] وغيرهما

"البتہ ایسے معنی کی وجہ سے جو آپ ﷺ کی حرمت کی تعظیم اور آپ ﷺ کے مقام کے احترام اور توقیر کی طرف اور آپ ﷺ کے عیب اور لاحق نقص کے زوال کی طرف لوٹتا ہے، اس چیز کو توبہ ساقط نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ آپ کی عزت کے

1 نسیم الریاض: ۶/۲۷۹

ساتھ متعلق ہے اور یہ آپ ﷺ کا دیگر آدمیوں کے حقوق کی طرح حق ہے اور یہی امام ابو حنیفہ اور امام شافعی ودیگر کا صحیح قول ہے۔"

④ ان تمام فقہانے تصریح کر دی ہے کہ اُنہوں نے اسے موالک یا حنابلہ کا مذہب سمجھ کر نہیں بلکہ اسے امام اعظمؒ کا مذہب سمجھ کر اختیار کیا ہے۔

بعد الاخذ توبہ بالاتفاق قبول نہیں!

اب ان چند فقہاے احناف کے موقف کے بارے میں بھی بات کرتے ہیں جنہیں تسامح ہوا اور اُنہوں نے گستاخِ رسول پر ردۃ عامہ کا اطلاق کیا اور اس بنا پر اسکی توبہ کی قبولیت کی طرف گئے۔ ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گستاخ ملعون کی بعد الاخذ توبہ قبول نہیں کی جائے گی، البتہ قبل الاخذ اس کی توبہ قبول کی جاسکتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں مفتی ابو السعود حنفیؒ کی تصریح:

فبعد أخذه لا تقبل توبته اتفاقًا فيقتل. وقبله اختلف في قبول توبته وعندأبي حنيفة تقبل فلايقتل وعند بقية الأئمة لاتقبل ويقتل حدًا حدًا[1] "گستاخِ رسول کی توبہ بعد الاخذ بالاتفاق وبالاجماع قبول نہیں کی جائے گی بلکہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ قبل الاخذ اس کی توبہ کے قبول ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام اعظم کے نزدیک اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا جبکہ باقی ائمہ کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اسے بطورِ حد قتل کر دیا جائے گا۔"

پھر قبل الاخذ توبہ کی قبولیت کا موقف رکھنے والے بھی دو طرح کے ہیں: ایک کا موقف یہ ہے کہ گستاخِ رسول کی حد توبہ اور تجدید اسلام سے ساقط ہو جائے گی اور مجرم کو چھوڑ دیا جائے گا، جبکہ دوسرا موقف یہ ہے کہ اس کی توبہ سے حد ساقط نہیں ہوگی اور اسے لازماً قتل کیا جائے گا۔ البتہ اگر وہ گستاخ حد کے اجرا سے پہلے تائب ہو جائے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے تو حد کے اجرا کے بعد اس کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ کیا جائے گا (یعنی اسکے کفن، دفن اور وراثت کے معاملات) اور اگر وہ اپنے کفر پر قائم رہے تو اسے کفر وارتداد کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور قتل کے بعد اس پر مشرکین کے احکام جاری ہوں گے۔

1 ردالمحتار: ۶/ ۳۶۲

توبہ سے قتل کی سزا ساقط نہیں ہوگی

گویا اس موقف کے مطابق توبہ اور تجدید اسلام کے بعد بھی وہ قتل ہی کیا جائے گا لیکن اسے دو فوائد حاصل ہوں گے ایک تو یہ کہ قتل کے بعد اس پر کفن و دفن اور وراثت کے حوالے سے مسلمان جیسے احکام کا ہی اطلاق ہوگا اور ثانیاً وہ آخرت میں بخشش کا امیدوار بھی ہوگا۔ در حقیقت یہ موقف معنوی اعتبار سے کثیر احناف کے مذکورہ بالا موقف کے قریب ہے کیونکہ دونوں کے نزدیک اس کی سزا ساقط نہیں ہوگی اور اسے لازماً قتل کیا جائے گا جبکہ مؤخر الذکر حضرات نے قبل الاخذ اس کی توبہ کو قبول کیا ہے تاکہ اگر وہ خلوصِ دل کے ساتھ تائب ہو کر تجدید اسلام کر لے تو حد کے اجرا کے بعد اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کیا جاسکے اور وہ آخرت میں بخشش کا امیدوار بھی رہے۔ اس موقف کی وضاحت امام اسماعیل حقی ؒ نے کی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

فالمختار أن من صدر منه ما يدل على تخفيفه عليه السلام بعمد وقصد من عامة المسلمين يجب قتله ولا تقبل توبته بمعنى الخلاص من القتل وإن أتى بكلمتي الشهادة والرجوع والتوبة لكن لو مات بعد التوبة أو قتل حدًا مات ميتة الاسلام في غسله وصلاته ودفنه و لو أصرّ على السب وتمادى عليه وأبى التوبة منه فقتل على ذلك كان كافرًا وميراثه للمسلمين ولا يغسل ولا يصلى عليه ولا يكفن وبل تستر عورته ويوارى كما يفعل بالكفار[1]

"مذہبِ مختار یہی ہے کہ مسلمانوں میں سے جس شخص سے حضور ﷺ کی شانِ اقدس میں جان بوجھ کر عمداً کوئی ایسا کلمہ صادر ہو جائے جو اہانت و استخفاف اور تحقیر پر دلالت کرتا ہو تو ایسے شخص کو اس گستاخی کے ارتکاب پر قتل کرنا (امتِ مسلمہ پر) واجب ہے اور اس کی توبہ بایں معنی قبول نہ ہوگی کہ اسے سزائے قتل سے چھٹکارا مل جائے) اگرچہ وہ توبہ ورجوع کرے اور توحید و رسالت کی گواہی دیتا پھرے۔ ہاں مگر وہ توبہ کرنے کے بعد مر گیا یا بعد از توبہ اس پر حد قتل کا نفاذ ہو گیا تو پھر اس کی موت (بعض احکام میں) مسلمانوں کی ہی سمجھی جائے گی، غسل دینے، نماز جنازہ پڑھنے اور دفن کرنے میں۔ اس کے برعکس اگر وہ گستاخی پر مصر رہے اور اس پر مسلسل کاربند رہے اور اس بنا پر قتل کر دیا جائے تو وہ

1 روح البیان: ۳/ ۵۰۳، ۵۰۲

کافر ہو جائے گا اور اس کی میراث مسلمانوں کے لئے ہوگی، اسے غسل نہیں دیا جائے گا۔ اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی جائے گی اور نہ ہی اسے کفن دیا جائے گا۔ ہاں اس کا ستر ڈھانپ دیا جائے گا اور اسے پیوندِ خاک کر دیا جائے گا جیسے کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔"

لہٰذا جن چند احناف نے گستاخِ رسول پر ردۃ عامہ کا اطلاق کرتے ہوئے اس کی قبل الاخذ توبہ کی قبولیت کو مانا ہے، ایک تو ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ پھر وہ بھی بعد الاخذ توبہ کو نہیں مانتے جبکہ در حقیقت توبہ اور اس کی قبولیت کا معاملہ تو بعد الاخذ ہی شروع ہوتا ہے۔ گویا احناف کے مابین اختلافات کی حدیں سمٹ جاتی ہیں اور نتیجۃً تمام احناف ہی گستاخ مسلمان کی توبہ کو قبول نہیں کرتے اور اسے لازماً قتل کرنے کا ہی موقف رکھتے ہیں۔

امام اعظمؒ کے دو اقوال

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مفتی ابو السعود حنفیؒ کے مذکورہ بالا قول سے امام اعظمؒ کا یہ موقف سامنے آتا ہے کہ گستاخ مسلمان کی توبہ قبول کی جائے گی اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا جبکہ کثیر فقہاے احناف نے امام اعظم کا دوسرا قول ذکر کیا ہے جسے ان کی اپنی عبارتوں میں اوپر نقل کر دیا گیا ہے جس کے تحت گستاخ رسول کی توبہ قبول نہیں ہے اور اسے لازماً قتل کیا جائے، لہٰذا یہ بات بالکل واضح اور آشکار ہے کہ اس مسئلہ پر امام اعظم سے دو متعارض اقوال نقل کیے گیے ہیں، اگرچہ اوّل الذکر قول کو بہت کم احناف نے نقل کیا ہے جبکہ کثیر احناف نے ثانی الذکر قول ہی نقل کیا ہے۔

امام ابن ابی جمرہؒ کی تطبیق

ان دونوں اقوال میں امام ابن ابی جمرہؒ نے یوں تطبیق فرمائی ہے:

"اس سے بہت کم گستاخی پر بھی ایسے شخص کے قتل پر اجماع ہے البتہ جو امام شافعی اور امام اعظم ابو حنیفہ سے دوسرا قول یہ مروی ہے کہ یہ ارتداد ہے اور ایسے شخص کا قتل لازم ہے مگر یہ کہ وہ توبہ کرلے اور اسی کی مثل امام مالک سے ایک ضعیف قول منقول ہے اور ان کا یہ مشہور مذہب نہیں، ان کا مشہور مذہب قتل ہے اور اس سے توبہ کا مطالبہ بھی نہیں کیا جائے گا۔" پھر فرماتے ہیں:

وهنا بحث وهو لا يخلو ما نقل من الإجماع أن يكون قبل ما ذكر من الخلاف المتقدم عمن ذكر أو يكون الخلاف متقدما على الإجماع فان كان الخلاف منهم قبل ثم رجعوا إلى الإجماع فلا تاثير

لذلك الخلاف وتحقق الإجماع وإن كان الخلاف منهم وقع بعدالإجماع لا يعتبو به والذي نقل الإجماع في قتله جماعة منهم صاحب الاستذكار وصاحب الكافي والتلمساني وابن سبوع وابن رشد وابن أبي زيد وسحنون والليث والقاضي عياض وابن العربي رحمهم الله تعالیٰ جماعة ممن يقرب من هولاء في الشهرة انسيتهم في الوقت[1]

"یہاں یہ بحث ہے کہ جو اجماع نقل کیا گیا ہے، اس کے بارے میں سوال یہ ہے کہ وہ سابقہ مذکورہ اختلاف سے پہلے ہے یا یہ اختلاف اجماع پر مقدم ہے۔ اگر اختلاف پہلے تھا پھر وہ اجماع کی طرف لوٹ آئے تو اب یہ اختلاف غیر موثر ہے اور اجماع ثابت ہو جائے گا اور اگر ان کا اختلاف اجماع کے بعد ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ گستاخ کے قتل کے بارے میں اجماع پوری جماعت نے نقل کیا ہے ان میں سے صاحب الاستذکار ،صاحب الکافی، امام تلمسانی، امام ابن سبوع، امام ابن رشد، امام ابن ابی زید، امام سحنون، امام لیث، قاضی عیاض اور ابن العربی رحمہم اللہ تعالیٰ اور ایک پوری جماعت جو شہرت میں ان لوگوں کے قریب ہے، اس وقت میں ان کے نام بھول گیا ہوں۔"

امام اعظمؒ اجماعِ صحابہ کی پیروی کرتے ہیں

امام اعظمؒ کے اسی قول پر ایک اور پہلو سے بات کرتے ہیں۔ ہم مذاہبِ اربعہ کے جید ائمہ سے یہ بات سامنے لا چکے ہیں کہ گستاخِ رسول کو حداً قتل کرنے یا ارتداد خاص کی وجہ اس کی توبہ قبول کیے بغیر اسے قتل کرنے پر اُمت کا اجماع ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس اجماعِ اُمت میں صحابہ کرام بھی شامل ہیں۔ کئی علمائے امت نے تو اس مسئلہ پر صحابہ کرام کا اجماع[2] بطورِ خاص نقل کیا ہے۔ جیسا کہ قاضی عیاض مالکیؒ (ت ۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

وهٰذا كله أجماع من العلماء وأئمة الفتوىٰ من لدن الصحابة رضوان الله عليهم إلى هلم جرًا[3]

"اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک اہل علم اور ائمہ فتویٰ کا اجماع ہے۔"

---

1. بهجة النفوس: ۲/ ۱۶۱
2. تفصیل کے لئے دیکھئے شمارہ ہذا کا صفحہ نمبر ۳۲
3. الشفاء: ۲/ ۹۳۳

اب غور طلب معاملہ یہ ہے کہ حنفی مذہب کے بانی سراج الامہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے خود فرمایا ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی پیروی کرتے ہیں۔

امام اعظمؒ نے اپنے اس مذہب کی خود تصریح فرمائی ہے جیسا کہ جب خلیفہ ابو جعفر المنصور نے امام اعظمؒ کو خط لکھا اور ان سے دریافت کیا کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ آپ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں تو انہوں نے خلیفہ کو جواباً یہ فرمایا:

ليس الأمر كما بلغك يا أمير المومنين إنما أعمل أولا بكتاب الله ثم بسنة رسول الله، ثم بأقضية أبي بكر وعمر وعثمان وعلي رضى الله عنهم ثم بأقضية بقية الصحابة ثم أقيس بعد ذلك إذا اختلفوا[1]

"اے امیر المومنین! بات ایسے نہیں جس طرح آپ تک پہنچی ہے۔ بلاشبہ میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت پر پھر حضرت ابو بکر، پھر حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیصلوں پر پھر دیگر صحابہ کے فیصلوں پر اور اس کے بعد اگر صحابہ میں اختلاف ہو تو قیاس کرتا ہوں۔"

ایک اور مقام پر امام اعظمؒ فرماتے ہیں:

آخذ بكتاب الله فما لم أجد فبسنة رسول الله ﷺ فإن لم أجد في كتاب الله ولا سنة رسول الله ﷺ أخذت بقول أصحابه، آخذ بقول من شئت منهم، و أدع من شئت منهم ولا أخرج من قولهم إلىٰ قول غيرهم[2]

"مجھے جب کوئی حکم خدا کی کتاب سے مل جاتا ہے تو میں اسی کو تھام لیتا ہوں اور جب اس میں نہیں ملتا تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کو تھام لیتا ہوں اور جب کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ (دونوں) میں نہیں ملتا تو میں صحابہ کے قول (اجماعِ صحابہ) کی پیروی کرتا ہوں اور (ان کے اختلاف کی صورت میں) جس صحابی کا قول چاہتا ہوں قبول کر لیتا ہوں اور جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں مگر ان سب کے اقوال سے باہر جا کر کسی کا قول نہیں لیتا۔"

امام اعظم کے ان اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ صحابہ کرام کے اجماع کی پیروی کرتے تھے، اس لیے ان سے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ اجماعِ صحابہ کے خلاف قول کریں۔ چنانچہ امام اعظم کا اس مسئلہ پر وہی قول معتبر قرار پاتا ہے جو کثیر متاخرین احناف نے

1 کتاب المیزان: ۱/۲۲۶، مطبوعہ اولی بیروت ۱۴۰۹

2 تاریخ بغداد: ۱۳/۳۶۵

تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے اور انہوں نے اپنی رائے کی بنیاد امام اعظم کے اسی قول پر رکھی ہے۔ کثیر متاخرین احناف نے امام اعظم کے اس قول کے علاوہ متقدمین احناف سے بھی تائید حاصل کی ہے جن میں ۴۴۶ھ کے امام ناطفی حنفیؒ اور امام ابو بکر جصاص (ت ۳۷۰ھ) نمایاں طور پر شامل ہیں۔ تفصیلی اقتباسات پہلے نقل کر دیئے گئے ہیں۔

کیا جید فقہاے احناف نے کلاسیکی حنفی موقف سے انحراف کیا؟

جناب عمار خاں ناصر نے ان متاخرین احناف کے بارے میں لکھا ہے:

"ہمارے ہاں چونکہ ایک خاص جذباتی فضا میں بہت سے حنفی اہل علم بھی فقہ حنفی کے کلاسیکی موقف کو بعض متاخرین کے فتووں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں، اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس ضمن میں بعض مستند تصریحات نقل کر دی جائیں۔"[1]

ان کا یہ موقف بھی بالکل غلط ہے کیونکہ جن متاخرین کی وہ بات کر رہے ہیں ان کے اقوال ہم نے اوپر نقل کر دیئے ہیں جن میں اُنہوں نے تصریح کر دی ہے کہ یہ مذہب سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور امام اعظمؒ کا ہے۔ یہ متاخرین احناف جن میں ابن الہمام اور ابن نجیم جیسے جید فقہاے احناف شامل ہیں، ان کے بارے میں موصوف کیا یہ گمان رکھتے ہیں کہ اُنہوں نے یہ بات بلا تحقیق کر دی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر موصوف کے بقول احناف کا کلاسیکی موقف ان کی آرا سے مختلف تھا تو اُنہوں نے یہ بات کیسے لکھ دی کہ یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور امام اعظمؒ کا مذہب ہے؟ کیا اُنہوں نے غلط بیانی سے کام لیا؟ اتنے بڑے حنفی مجتہد اور فقیہ ہونے کے باوجود انہوں نے احناف کے کلاسیکی موقف (بقول موصوف) سے کیوں انحراف کیا؟ اور موصوف جو آج کل کے احناف پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ وہ فقہ حنفی کے کلاسیکی موقف کو بعض متاخرین احناف کے فتووں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اگر موصوف کی یہ بات درست ہے تو اُنہیں چاہیے تھا کہ وہ آج کل کے ان اہل علم حضرات کو مطعون کرنے کی بجائے ان متاخرین احناف پر یہ الزام عائد کرتے کہ اُنہوں نے موصوف کے بقول احناف کے کلاسیکی موقف سے انحراف کیا ہے لیکن شاید پندرھویں صدی کے نام نہاد محقق کو آسمانِ علم کے ان درخشندہ ستاروں کی بابت کچھ کہنے کی جرأت نہ

1 توہین رسالت کا مسئلہ: ۵۴

ہو سکی اور موصوف نے ان کی عبارتیں نقل کرنے والوں کو موردِ الزام ٹھہرا کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ اب موصوف کی ان مستند تصریحات کا بھی جائزہ لیتے ہیں جو اُنہوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کی ہیں کہ احناف کے کلاسیکی موقف کو بعض متاخرین کے فتووں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

موصوف کا ایک اور کرشمہ

سب سے پہلے تو لفظ 'بعض' سے ان کی خیانت آشکار کرتے ہیں کیونکہ ہم نے درجن سے زائد متاخرین فقہائے احناف کے اقوال اوپر نقل کر دیے ہیں، کیا ان کثیر فقہائے کرام پر لفظ 'بعض' صادق آتا ہے؟ ان کثیر فقہائے احناف کے مقابلے میں کئی صدیاں بعد بھی امام شامیؒ تنہا نظر آتے ہیں۔ یہ ہے اصل صورتحال لیکن موصوف کا اعجاز دیکھیں کہ اُنہوں نے کثیر فقہائے کرام کو بعض قرار دیدیا اور امام شامی جو تنہا کھڑے ہیں، انہیں کثیر بنا دیا۔ اور یہ بھی نہیں دیکھا کہ امام محمدؒ کیا فرماتے ہیں؟

اب ان کی طرف سے پیش کردہ ان مستند تصریحات کا بھی جائزہ لیتے ہیں جو اُنہوں نے بزعم خویش احناف کے کلاسیکی موقف کو اجاگر کرنے کیلئے نقل کی ہیں۔ یہ تمام تصریحات معاہد گستاخ کے بارے میں ہیں۔ سب سے پہلے اُنہوں نے امام طحاوی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

> "ہمارے فقہا کے مطابق اگر کوئی مسلمان نبی ﷺ کو برا بھلا کہے یا آپؐ کی تنقیص کرے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے اور اگر وہ ذمی ہو تو اسے سزا تو دی جائے گی لیکن قتل نہیں کیا جائے گا۔"

امام طحاوی بلاشبہ ۳۲۱ھ کے جید فقیہ ہیں۔ ان کی کتاب اختلاف العلماء کا اختصار معروف حنفی ابن جصاص الرازی (۳۷۰ھ) نے کیا ہے جو 'مختصر اختلاف العلماء' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ امام ابو بکر احمد بن علی الجصاصؒ فرماتے ہیں کہ ذمی اگر نبی کریم ﷺ کو گالیاں دے تو اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ رسول ﷺ کو گالیاں دینا دین میں طعن کرنے سے زیادہ برا ہے۔ اُنہوں نے لیث کا قول بھی نقل کیا ہے کہ سابّ النبی سے نہ مناظرہ کیا جائے اور نہ توبہ کا مطالبہ کیا جائے بلکہ اسے موقع پر ہی قتل کر دیا جائے اور اسی حکم کا اطلاق یہودی اور نصرانی گستاخ پر بھی ہو گا، لیث ۱۷۵ھ کے عالم ہیں۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام طحاویؒ کے اس موقف کو تو ان کی کتاب کا اختصار کرنیوالے حنفی فقیہ نے بھی قبول نہیں کیا۔

اس کے بعد انہوں نے علامہ کاسانی کی یہ تصریح پیش کی ہے کہ اگر ذمی نبی کو بھلا برا کہے تو

اُس سے اس کا معاہدہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ ایسا کر کے اُس نے سابقہ کفر پر مزید کفر کا اضافہ کیا ہے۔ چونکہ معاہدہ اصل کفر کے باوجود قائم رہتا ہے اس لیے کفر میں اضافے پر بھی برقرار رہے گا۔ امام طحاوی اور علامہ کاسانی کا یہ موقف کئی وجوہ کی بنیاد پر احناف کے ہاں مقبول نہیں:

① اوّلاً، ان کا یہ موقف امام محمدؒ کے قول کے خلاف ہے، جیسا کہ امام محمد کا قول گزر چکا۔

② ثانیاً، متاخرین احناف کی تائید: ان کے اس موقف کو بعد کے احناف نے بھی قبول نہیں کیا۔ علامہ کاسانی (۵۸۷ھ) کے بعد علامہ بدر الدین عینی (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ توہین رسالت کی وجہ سے مؤمن کا ایمان نہیں رہتا، ذمی کی امان کیسے باقی رہ جائے گی؟ کیونکہ مسلمان جب رسول اللہ ﷺ کو گالی دے تو کافر ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر حاکم ایسا کرے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ اور جو ویسے ہی مجرم اور دین کا دشمن ہو وہ توہین کرے تو اسے کیسے چھوڑ دیا جائے گا؟

اسی طرح محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ ذمّی نے اگر حضور ﷺ کی اہانت کی یا اللہ تعالیٰ کی طرف غیر مناسب بات منسوب کی اگر وہ مسلمانوں کے عقائد سے خارج ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت یہ یہود و نصاریٰ کا عقیدہ ہے جب وہ ان چیزوں کا اظہار کرے گا تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔ ان کے علاوہ بھی تقریباً تمام متاخرین احناف نے ذمی کا عہد ٹوٹنے کا قول کیا ہے۔ ان عبارات کے حوالہ جات ہم نے اوپر نقل کر دیے ہیں۔ حق بات تو یہ ہے کہ علامہ بدر الدین عینیؒ کا یہ قول سونے کے ساتھ تولنے کے قابل ہیں کہ جب توہین رسالت کی وجہ سے مؤمن کا ایمان نہیں رہتا تو ذمی کے لئے امان کیسے باقی رہ سکتی ہے۔

موصوف کی ایک اور علمی خیانت

جناب عمار خاں ناصر نے پرلے درجے کی بد دیانتی کرتے ہوئے امام ابن الہمامؒ کا ایک قول نقل کیا ہے اور اس کے ترجمہ میں بین القوسین (سب و شتم کی صورت میں) کا اضافہ اپنی طرف سے کر دیا ہے اور یوں اُنہوں نے جو حکم باغی اور سرکش ذمی کے بارے میں لگایا جو شاتم رسول نہیں ہے، اسے اُنہوں نے علمی خیانت کرتے ہوئے اسے ایسے باغی ذمی پر منطبق کر دیا ہے جو کہ شاتم بھی ہے، اُنہوں نے جو ترجمہ کیا ہے، ہم اسے اصل عبارت کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

"علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں: هٰذا البحث منا يوجب أنه إذا استعلى على المسلمين على وجه صار متمردًا عليهم حل للإمام قتله أو يرجع إلىٰ الذل والصغار "ہماری اس بحث کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر ذمی (سب و شتم کی صورت میں) مسلمانوں کے مقابلے میں سرکشی دکھاتے ہوئے باغیانہ روش اختیار کرلے تو حکمران کے لیے اسے قتل کرنا جائز ہو جاتا ہے، الا یہ کہ وہ دوبارہ ذلت اور پستی کی حالت قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے۔"[1]

حالانکہ امام ابن الہمام کا موقف ہم نے پہلے نقل کر دیا ہے کہ وہ ذمی کی طرف سے اہانت رسول پر نقض عہد اور اس کے قتل کا موقف رکھتے ہیں۔ موصوف نے خود بھی اپنی تالیف میں امام ابن الہمامؒ کا یہی موقف بیان کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

"جمہور فقہا اور احناف کے مابین ایک اختلافی نکتہ یہ ہے کہ آیا اہل ذمہ کی طرف سے سب وشتم کے ارتکاب کی صورت میں معاہدۂ ذمہ برقرار رہتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جمہور فقہا اسے ناقض عہد مانتے ہیں اور احناف میں سے امام ابوبکر الجصاص اور ابن الہمام کا رجحان بھی یہی ہے کہ سب وشتم کو نقض عہد کے ہم معنیٰ قرار دینا چاہیے۔"[2]

اس کے بعد اُنہوں نے ابن عابدین شامیؒ کا ایک قول نقل کیا ہے۔ اصولاً تو ابن عابدین شامیؒ کے کسی قول سے متقدمین کے موقف پر دلالت نہیں ہوتی جبکہ ان سے پہلے متعدد احناف امام اعظمؒ اور متقدمین احناف ہی کی پیروی میں احناف کے کلاسیکی موقف کو واضح کر چکے ہیں پھر انکے اس اقتباس سے یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ احناف کا کلاسیکی موقف کیا تھا؟

حاصل کلام کے طور پر عرض ہے کہ پوری اُمت گستاخِ رسول خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کے وجوبِ قتل پر متفق ہے اور احناف کا مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں اور اسے لازماً قتل کیا جائے گا۔ احناف اور جمہور فقہا کے مابین عملی نتیجہ کے اعتبار سے کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ ہمیں اس مسئلہ پر سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور حنفیت کی آڑ میں ناموسِ رسالت کے مجرموں کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کرنے کی خاطر دور کی کوڑی لانے کی بجائے احناف سمیت جمہور فقہا کے موقف کے مطابق پاکستان میں رائج قانون توہین رسالت کو دل وجان کے ساتھ قبول کر لینا چاہیے اور طاغوت کا آلۂ کار بننے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

---

1. فتح القدیر: ۶/۶۲، ۶۳، بحوالہ توہین رسالت کا مسئلہ: ۵۷
2. توہین رسالت کا مسئلہ: ۵۳